سیاسی مناصب پر عورتوں کی تقرری: فکر اسلامی کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

* محمد الیاس

Abstract

The appointment of Women on state positions in accordance with Islamic teaching has generated much debate among classical as well as contemporary scholars. Islamic teachings recognized rights of male and female equally but give due consideration to the natural differences of male and female during detailed Analysis of duties and obligation. This article is aimed to elaborate this discussion in detail. The article proceeds with the opinions of the classical scholars on the appointment of a women as head of the state. It is followed by discussion about appointment of Women on ministerial Jobs. Third part of the article deals with working of Women as members of the assemblies and legislative councils. Last part of the article discussed appointment of Women as Judges and other administrative offices. The article concludes that inspite of differences of opinion majority of jurist are of the opinion that women can be appointed as officials of the state organizations.

Keywords: Woman in Polities, Woman in Powerment, Islamic Thought

اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات میں مرد وعورت کو انتہائی اہم ذمہ داریاں سونپی ہیں۔ دونوں انفرادی، عائلی، معاشرتی ،اجتماعی، علمی، دینی اور سیاسی میدانوں میں اکثر اوقات ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ آج تک عمومی طور پر عورت کا کردار خاص کر مرد کی نسبت افراط و تفریط کا شکار رہا ہے۔ اسلامی معاشرے میں ایک طبقہ عورت کو کسی بھی سیاسی ذمہ داری پر فائز ہوتے دیکھنا نہیں چاہتا جبکہ ایک اور طبقہ ایسا ہے جو ہر میدان میں عورت کو برابری کی بنیاد پر مرد کے شانہ بشانہ اس طرح کھڑا دیکھنا چاہتا ہے کہ گویا ان دونوں کے درمیان سرے سے کوئی فرق ہی موجود نہیں ہے۔ دین اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو کہ فطری تقاضوں کے مطابق مرد و عورت میں سے ہر ایک کو اس کی صلاحیتوں اور رجحانات کے مطابق حقوق بھی دلواتا ہے اور ان پر ذمہ داریاں بھی عائد کرتا ہے۔ ان حقوق و فرائض کا تعلق زندگی کے ہر شعبے کے ساتھ ہے۔ یعنی ہر شعبۂ زیست میں بالغ مرد اور بالغ عورت دونوں کے فرائض بھی ہیں اور ذمہ داریاں بھی۔

مقالہ ہذا میں فکر اسلامی کی رو سے عورت کے سیاسی کردار کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے یعنی یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ سیاسی شعبے میں اسلام عورت کو کیا مقام دیتا ہے؟ اور عورتوں کے سیاسی مناصب پر تقرری کے حوالے سے اہل علم کی کیا آراء ہیں؟ اور اس ضمن میں تاریخ اسلام سے کیا نظیریں ملتی ہیں؟ اس تحقیق میں ان تمام سوالات کے جوابات افراط و تفریط سے ہٹ کر خالص فکر اسلامی کے نقطۂ نظر سے جانچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، کلیہ علوم اسلامیہ (اصول الدین)، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلامی سیاسی فکر جسے "سیاسہ شرعیہ" بھی کہا جاتا ہے ان اہم سیاسی اداروں اور مناصب کی وضاحت کرتی جو مختلف اسلامی دور حکومتوں میں موجود رہے ہیں، ان میں خلافت وامامت، نیابت ووزارت / وزیر ومشیر، رکن مجلس شوریٰ / رکن اسمبلی وپارلیمنٹ، نگران امور حسبہ / نگران امر بالمعروف ونہی عن المنکر، مفتی اور قاضی / جج وغیرہ شامل ہیں۔ انہیں مناصب پر عورتوں کی تعیین اور ان اداروں میں عورتوں کے کردار سے متعلق فکر اسلامی میں متعدد اراء ملتی ہیں، انہیں آراء کا تجزیہ اس مقالہ میں پیش کیا جارہا ہے۔

1۔ فکر اسلامی میں منصبِ خلافت پر عورت کی تقرری سے متعلق علماء کی اراء:

خلافت اسلامی نظام حکومت میں سب سے بڑی مسئولیت (ذمہ داری) کا نام ہے۔ تاہم مختلف علماء نے اس کی اپنے فہم کے مطابق مختلف تشریحات کی ہیں۔ امام ابن عابدین خلافت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "خلافت دین اور دنیا کی قیادت کا نام ہے جو کہ نبوت کا ایک جزء (حصہ) ہے[1]"۔ جبکہ امام الماوردی خلافت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "خلافت دین کی حفاظت اور دنیاوی سیاست کی ذمہ داری کا نام ہے[2]"۔ خلیفہ پر کچھ اہم ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جو اس کی خلافت کے ساتھ مربوط ہیں۔ ان تمام ذمہ داریوں کا امام الماوردی نے کچھ یوں ذکر کیا ہے:

"دین کی حفاظت اس کے اصل پیرائے میں کرنا جس کو سلف صالحین نے بیان کیا ہے۔ تاکہ ان تمام شبہات کا ازالہ ہوسکے جو دین کے اصل فہم میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اور ایسے احکام کا نفاذ کرے کہ جس سے امت کے درمیان عدل وانصاف کا نظام قائم ہو۔ اور امت کے درمیان کسی قسم کا داخلی وخارجی انتشار پیدا نہ ہونے دے تاکہ لوگ امن وامان کی زندگی بسر کرسکیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو نافذ کرے تاکہ مسلمانوں کے حقوق کی حق تلفی کو روکا جاسکے۔ اور اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد کا علم بلند کرے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں یا جزیہ ادا کریں تاکہ مسلمانون کو ان کے شر ور وفتن سے محفوظ رکھا جاسکے۔ اور صدقات اور غنیمت کے اموال کو بغیر کسی دباؤ کے شرعی قواعد کے موافق جمع کرنا اور تصرف کرنا۔ اور مستحق لوگوں کی بیت المال سے بغیر اسراف اور تبذیر کے مالی امداد کرنا۔ اور مستحق اور اہل لوگوں کو ان کی اہلیت کے موافق عہدوں پر تقرری کرنا تاکہ کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہ رہے[3]"۔

اس کے علاوہ بہت سے ایسے امور ہیں جنکی انجام دہی بھی خلیفہ کی ذمہ داریوں میں آتی ہے، جیسے عسکری امور، اقتصادی امور، اخلاقی امور وغیرہ، کہ جن کا احاطہ کرنا یہاں بہر حال موضوع بحث نہیں ہے۔

عورت کے خلافت وامامت کی ذمہ داریوں کے حوالے سے متعدد اراء اسلامی اصول سیاست میں ملتی ہیں جن کی بنیاد قرآن وسنت کی متنوع تشریح ہے۔ اسی ضمن میں ارشاد باری تعالی ہے:

{الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ}[4] "مرد عورتوں پر قوام (نگھبان ومحافظ) ہیں"۔

امام القرطبی کے نزدیک جمہور کی رائے میں عورت کا خلیفہ یاامام ہونا درست نہیں یہ آیت اس امر پر واضح دلالت کرتی ہے کہ مرد کو عورت پر بہت سی باتوں میں فضیلت حاصل ہے جیسا کہ قوۃ الرائے ہونا اور خلافت کے امور کو زیادہ بہتر سمجھنا وغیرہ۔ اور اگر دیکھا جائے تو گھر کے امور بھی مرد ہی کے ہاتھ میں ہیں جبکہ انتظامی اور سیاسی امور تو اس سے کہیں بڑھ کر اہم ہیں[5]۔

عورت کے لئے حکمران بننے کو جائز سمجھنے والے اس کے جواب میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ ایک تو اس آیت کا تعلق خاندانی معاملات سے ہے نہ کہ سیاسی معاملات سے جیسا کہ خود آیت کے سیاق وسباق سے واضح ہے۔ نیز مرد کی حکمرانی کو اس آیت میں دو علتوں کے ساتھ جوڑا گیا ہے اور وہ وقت کے بدلنے سے بدل سکتی ہیں۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:{الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا انْفَقُوا مِنْ امْوَالِهِمْ[6]}"اس وجہ سے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فوقیت عطا کی اور اس وجہ سے کہ مرد عورتوں پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں"۔ ان میں سے پہلی علت کو اللہ تعالی نے مبہم لفظوں میں بیان فرمایا ہے، یوں نہیں فرمایا: اس وجہ سے کہ مردوں کو عورتوں پر فوقیت دی بلکہ یہ فرمایا کہ بعض کو بعض پر فوقیت دی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ بعض حالات میں یہ بھی ممکن ہے کہ بعض عورتوں کو بعض مردوں پر صلاحیتوں کے اعتبار سے فوقیت حاصل ہو۔ اسی طرح دوسری چیز بھی عمومی نہیں ہے بلکہ بعض عورتیں مردوں کو پال رہی ہوتی ہیں۔

ملکہ سبا بلقیس کا ذکر قرآن کریم میں بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ ملکہ بلقیس اپنے علم وحکمت، دانائی اور حسن تدبیر سے جانی جاتی تھی۔ اور وہ دوسرے امراء کی طرح نہ تھی کہ جو اپنی رائے کو ہر چیز پر مقدم سمجھتے تھے، بلکہ وہ ہر امور میں اپنے وزراء سے مشاورت کرتی تھی کہ جس کو قرآن کریم نے نقل کیا ہے{قَالَتْ يَا ايُّهَا الْمَلَا افْتُونِي فِي امْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً امْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ[7]}"کہا اس عورت نے اے لوگو مجھے ایک (ضروری) رائے دو"۔ وہ اپنے عورت ذات ہونے کے باوجود دور اندیش اور صاحب بصیرت تھی جب سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اسے خط بھیجا تو وہ پڑھتے ہی سمجھ گئی کہ سلیمان علیہ السلام کوئی عام بادشاہ نہیں ہیں۔ اس بنا پر اس نے اپنے وزراء کی رائے کے برعکس، سلیمان علیہ السلام کو یہ معلوم کرنے کے لیے تحائف بھیجے کہ وہ ان تحائف سے مرعوب ہوتے ہیں کہ نہیں۔ ایک اور بات جو اس کی عقل ودانائی پر دلالت کرتی ہے وہ یہ کہ جب سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اس سے اس کے عرش کے متعلق پوچھا تھا کہ {اهَكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَانَّهُ هُو[8]}"کیا اسی طرح کا تیرا عرش تھا؟ تو اس کو ماننے میں کوئی تردد نہ ہوا کہ وہ عرش اسی کا ہے"۔ اور یہ بھی کہ سلیمان علیہ السلام کتنی قدرت کے حامل ہیں جو اللہ نے ان کو عطا کی تھی[9]۔ اس واقعہ کی تمام تفاصیل کتب تفاسیر میں موجود ہیں۔

اسی ضمن میں قرآن کریم کی طرح حدیث شریف سے بھی علماء نے استشہاد کیا ہے:

سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ خبر پہنچی کہ فارس پر ایک عورت حکومت کرتی ہے تو اپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا(لنْ يُفْلحَ قومٌ وَلَّوْا امرَهُمُ امراةً[10])"وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس کی حاکم عورت ہو"۔

بعض فقہاء اس حدیث کی بناپر عورت کے لئے ہر قسم کی ولایت اور حکمرانی کی نفی کرتے ہیں جیسا کہ امام قرطبی نے بیان کیا[11]، اور بعض صرف خلافت کے منصب کی نفی کرتے ہیں باقی کی نہیں جیسا کہ ابن حزم کی رائے ہے[12]۔ اس حدیث کے بارے میں ایک نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ یہ حدیث اگرچہ یہ بتارہی ہے کہ عورت کا حکمران بننا اچھا نہیں ہے لیکن اس حدیث کا تعلق اس صورت کے ساتھ ہے جب کسی مطلق العنان شخصی حکمرانی میں عورت کو حکمران بنادیا جائے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی نقطہ نظر کو اختیار کیا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق جمہوری طرزِ حکمرانی جس میں حاکم اکیلا تمام اختیارات کا مالک نہیں ہوتا اس میں عورت کی حکمرانی اس حدیث کے خلاف نہیں ہے[13]۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے اس نقطۂ نظر کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا(اذَا كَانَ امرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَاغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ، وَامُورُكُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الارْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا، وَاذَا كَانَ امرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَاغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ، وَامُورُكُمْ الَى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الارْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا[14])جس کا مفہوم یہ ہے کہ "جب تمہارے ذمہ دار تم سے اچھے لوگ ہوں، تمہارے مال دار سخی ہوں اور تمہارے معلاملات مشاورت سے طے ہوتے تو(یہ تمہارے لئے اچھی صورتِ حال ہے، اس لئے) زمین کا باہر والا حصہ تمہارے لئے اندرونی حصے سے بہتر ہے، یعنی زندگی موت سے بہتر ہوگی۔ اور جب تمہارے سردار تم میں سے برے لوگ ہوں، تمہارے مال دار لوگ بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کا اندر اس کے باہر سے تمہارے لئے بہتر ہے یعنی موت زندگی سے بہتر ہے"۔ یہاں دیکھئے بری حالت میں پہلی بات کہ تمہارے سردار تم میں بدترین لوگ ہوں اس کے مقابلے اچھی حالت میں یہ فرمایا گیا کہ تمہارے حکمران تم میں سے اچھے لوگ ہوں۔ دوسری بری حالت کہ تمہارے مال دار لوگ بخیل ہوں کے بالمقابل پہلی حالت کہ جس میں یہ فرمایا کہ تمہارے مال دار سخی ہوں یہ تقابل بھی بالکل واضح ہے۔ تیسرے نمبر پر بری حالت میں فرمایا تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں اس کے بالمقابل اچھی حالت کے بیان میں فرمایا کہ تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہوں۔ اس تقابل سے معلوم ہوا کہ معاملات عورتوں کے سپرد ہونے سے مراد وہ حالت ہے جس میں باہمی مشورے سے معاملات طے نہ ہوتے ہوں۔ ویسے بھی حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ ہیں: (لنْ يُفْلحَ قومٌ وَلَّوْا امرَهُمُ امراةً[15])۔ اس "وَلَّوْا امرَهُمُ امراةً" کے لفظ بتارہے ہیں یہ وعید اس صورت میں جب سب کچھ ایک عورت کو سونپ دیا جائے اور ظاہر ہے کہ ایسا شخصی حکمرانی میں ہی ہوتا ہے نہ کہ جمہوری طرزِ حکمرانی میں۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس وقت فرمائی جب کسری کی بیٹی کو ساسانی سلطنت کا سربراہ بنالیا گیا تھا۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ساسانیوں کے ہاں مطلق العنان بادشاہی نظام ہی رائج تھا۔

بعض علماء اس امر کی نفی اس بات سے کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے کبھی بھی عورت کو ولایت کا منصب عطاء نہیں کیا۔ اور نہ ہی حضرات خلفاء راشدین نے ایسا کیا، مگر ایک روایت میں ملتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے الشفاء بنت عبداللہ کو حسبہ کی ولایت عطاء کی تھی، اور اگر یہ بات ثابت ہے تو بہر حال یہ بھی وقتی طور ہی تھی نہ کہ مستقل طور پر[16]۔

اس امر پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول جو دلالت کرتا ہے کہ (كُنَّا فِي الجَاهِلِيَّةِ لا نَعُدُّ النِّسَاءَ شَيْئًا، فَلَمَّا جَاءَ الاسْلامُ وَذَكَرَهُنَّ اللَّهُ، رَايْنَا لَهُنَّ بِذَلِكَ عَلَيْنَا حَقًّا، مِنْ غَيْرِ انْ نُدْخِلَهُنَّ فِي شَيْءٍ مِنْ امُورِنَا[17])۔ "ہم جاہلیت کے زمانے میں عورت کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قران میں عورت کا ذکر فرمایا اور ان کے حقوق مقرر فرمائے، تو ہم نے ان کو ان کا مقام دیا مگر امارت وخلافت کے امور میں پھر بھی ان کو شامل نہیں کیا"۔

بعض فقہاء کے نزدیک عورت کا خلافت پر قائم ہونا مصلحت عامہ کے بھی خلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلافت ان کی نظر میں طلب الرائے اور ثبوت بالعزم کا نام ہے۔ جبکہ عورت میں عموماان تمام اعتبارات سے ضعف کا غلبہ ہوتا ہے۔ تاہم یہ مقدمہ کہ ہر عورت ہمیشہ ہر پہلو سے اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے مرد سے کم تر ہوتی ہے بذاتِ خود محتاجِ دلیل ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ امارت یا خلافت ایک بہت ہی اہم بلکہ اہم ترین ذمہ داری ہے جو کہ عورت اس کی متحمل ہو ہی نہیں ہوسکتی۔ اور یہ کہ خلافت صرف اوامر کے نافذ کرنے کا نام نہیں بلکہ مثال کے طور پر خلیفہ مسلمانوں کی نمازوں میں امامت بھی کرتا ہے جبکہ کہ عورت امامت نہیں کرواسکتی۔ تیسری وجہ یہ کہ عورت پر گھر کی مسئولیت وذمہ داری اکثر عائد ہوتی ہے اگر وہ امارت کے مرتبے پر قائم ہوگی تو وہ گھر کی مسئولیت سے غافل ہوگی، جس سے اس کے خاندان کا سارا نظام متاثر ہو کر رہ جائے گا[18]۔

تاہم اس استدلال پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ وہ خاتون جو گھر کی ذمہ داریوں اور اولاد کی پرورش کے مرحلے سے فارغ ہوچکی ہو اس کے لئے حکمران بننے کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟ نیز مردوں پر بھی بعض اوقات گھریلو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں مثلا بعض اوقات مرد کے والدین بوڑھے اور ضعیف ہوتے ہیں، ان خدمت اور دیکھ بھال بنیادی طور پر مرد کی ذمہ داری ہوتی ہے اس کی بیوی کی نہیں۔ تو کیا اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ پھر تو مرد کے لئے بھی حکمران بننا جائز نہیں ہے۔

جبکہ بعض معارض ایک اور توجیہ عورت کی خلافت وامامت کے انکار میں یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ امارت ایسا فعل ہے کہ جس میں گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ سب کے سامنے آنا پڑتا ہے۔ جبکہ عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ {وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ}[19] "وہ اپنے گھروں میں ہی رہیں"۔ بعض فقہاء نے اس قول پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ احکامات تو خاص ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کے لئے ہیں اور خاص احکام کو عموم کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ باقی عورتیں دوسرے

تمام امور میں، جیسے عبادات، معاملات، طلب علم، جہاد وغیرہ میں حصہ لے سکتی ہیں اور اس کے لئے انہیں گھر سے باہر نکلنا ہو تو نکل بھی سکتی ہیں[20]۔ہاں البتہ وہ امور جو شریعت میں سب عورتوں کے لیے منع ہیں ان میں یہ کہ عورت اپنی زینت غیر محرم پر ظاہر مت کرے اور گھر سے باہر نکلے تو احکام پردہ کی پوری تعمیل کرے، وہ اپنی جگہ بر قرار ہیں۔

قدیم مسلمان مفکرین اور فقہاء کا عمومی رجحان اس طرف نظر آتا ہے کہ عورت کا خلافت کے منصب پر فائز ہونا درست نہیں۔ مگر بعض خوارج اور بعض شیعہ حضرات کا اس سے اختلاف منقول ہے مثلا بعض شیعہ سیدہ فاطمہ جو کہ سیدنا جعفر کی بہن تھیں، ان کی خلافت کو جائز سمجھتے تھے[21]۔

عصر حاضر کے فقہاء بھی اسی رائے کو اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر مصطفی السباعی لکھتے ہیں کہ نص **"عدم ولاية العليا العامة"** پر دلالت کرتی ہے یعنی کوئی بھی شعبہ زندگی ہو، عورت کا اس میں مطلق العنان حاکم ہونا شریعت کے مخالف ہے[22]۔ہاں اگر وہ عہدہ کوئی ماتحت عہدہ ہو اس پر عورت کا تقرر مضر نہیں جیسا کہ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی لکھتے ہیں کہ "اگر ہم خلافت کے معمے کو ایک طرف کر دیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے امور، اللہ کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے عورتوں اور مردوں میں تقسیم کر رکھے تھے[23]"۔

جمہور علماء کے نزدیک عورت کا خلافت پر قائم ہونا شریعت کے مخالف ہے۔ اس امر پر ان کے دلائل قرآن وسنت، اجماع، قیاس، مصلحت عامہ اور سد ذرائع وغیرہ کی روشنی میں قوی معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان دلائل کے تفصیلی تجزیے سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ عورت کی حکمرانی کے عدمِ جواز پر قرآن وحدیث اور قیاس سے دلائل پیش تو کئے گئے ہیں لیکن دوسری طرف جواز کے قائلین کے دلائل پر بھی بحث کی کافی گنجائش موجود ہے۔

اس مبحث میں پیش کردہ دلائل سے معلوم ہوا کہ حکمرانی کے دو درجے ہیں۔ ایک تو خلافت ہے جو درحقیت پوری امت کی قیادت کا نام ہے۔ یہ منصب درحقیقت نیابتِ نبوت ہے۔ یہ بعض زمانوں میں موجود ہوتی ہے بعض میں نہیں۔ دوسری ہے عام حکمرانی، جیسے کسی ملک کا صدر یا وزیر اعظم بننا۔ جہاں تک پہلے منصب کا تعلق ہے تو یہ محض انتظامی نوعیت کا منصب نہیں ہے بلکہ اس میں دینی پہلو بہت غالب ہے، اور پھر اس میں نیابتِ نبوت بھی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے فورا بعد خلافت کے حوالے سے کئی تجاویز سامنے ائیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضي الله عنہا کے بارے میں کسی نے بھی یہ تجویز نہیں کیا کہ وہ خلیفہ ہوں، حتی کہ فقہاء جعفریہ کا بھی یہ دعوی نہیں ہے کہ وہ خلیفہ بلا فصل ہونے کی مستحق تھیں۔ تاہم دوسری نوعیت کی جو حکمرانی ہے جیسے صدر یا وزیر اعظم بننا تو اس میں فریقین کے دلائل میں وزن موجود ہے، اس لئے یہ کہنے کی گنجائش موجود ہے کہ کوئی حتمی بات کہنے کی بجائے موقع محل اور ملت کے عمومی مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف اوقات میں مختلف نوعیت یعنی عورت کے صدر یا وزیر اعظم ہونے کے فیصلے کئے جاسکتے ہیں۔

2۔ فکر اسلامی میں منصبِ وزارت پر عورت کی تقرری سے متعلق علماء کی اراء:

وزارت "وزر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں بوجھ اٹھانا کیونکہ بادشاہ اپنے وزیر کی وجہ سے قوی بنتا ہے اور وزیر بادشاہ کا بوجھ اٹھاتا ہے[24]۔

اصطلاح میں وزیر ایسے داناو ثقہ شخص کو کہتے ہیں جس سے خلیفہ اپنے عظیم واہم امور کے بارے میں مشاورت کرتا ہو[25]۔

فقہاء نے وزارت کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

1- وزارۃ التفویض: اس وزارت میں خلیفہ وزیر سے مختلف امور پر بات چیت کرتا ہے اور اس کی رائے لیتا ہے اور وزیر اپنے فہم کے مطابق ان امور کو ترتیب دیتا ہے مگر جو بھی امور کرنے ہوتے ہیں وہ خلیفہ سے پوچھ کر کرتا ہے۔

2- وزارۃ التنفیذ: اس وزارت میں وزیر اپنی رائے سے سب کچھ کرتا ہے اور اس کے کرنے میں وہ خلیفہ سے بار بار مشاورت نہیں کرتا۔

خلافت اسلامی نظام حکومت میں دوسری بڑی مسئولیت (ذمہ داری) کا نام وزارت ہے۔ اس ضمن میں فقہاء کی متعدد آراء ہیں۔ بعض کے نزدیک تو عورت کا کسی قسم کی وزارت کے عہدے پر تقرر درست نہیں۔ اس کی دلیل وہ اللہ کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے اس قول سے لیتے ہیں کہ جس میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا(لنْ يُفْلحَ قومٌ وَلَّوْا امرَهُمُ امراةً[26])"وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس کی حاکم عورت ہو"۔ اور وہ وزارت کو بھی ولایت کے معنوں میں لیتے ہیں۔ لیکن اس حدیث پر اس مقالہ میں کی گئی بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث کا وزارت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عصر حاضر میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ملکی سطح پر جو بھی قوانین بنائے جاتے ہیں ان میں عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ رکھا جاتا ہے، مساوی حقوق دینے کی کوشش کی جاتی ہے مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی ممالک ہوں یا مشرقی ممالک، وہ عورت کو مساوی حقوق دینے سے قاصر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم مختلف ممالک کے دساتیر کو دیکھیں تو اس میں عورت کو بغیر کسی دباؤ کے وزارت میں شمولیت کا اختیار دیا جاتا ہے۔ مثلاً پاکستان کے دستور کے مطابق ہر وہ شخص وزیر بن سکتا ہے جو رکن پارلیمنٹ ہو خواہ مرد ہو یا عورت۔ تو یہ تمام وہ صورتیں ہیں کہ جن میں عورت کو حقیقی یا معنوی شمولیت کا اختیار دیا جارہا ہے۔ حکمرانی میں عورت کے اس کردار کے خلاف بظاہر کوئی وزنی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے عورت کے لئے حجاب کے مسائل ہوں گے۔ لیکن یہ کسی بھی عورت کا اپنا فعل ہے۔ اگر کوئی عورت حجاب کے ضروری تقاضے پورے کرنا چاہے تو حجاب کے ساتھ بھی اپنی ذمہ داریاں نباہ سکتی ہے۔ خصوصا متقدمین احناف کے نزدیک تو عورت کا چہرہ بذاتِ خود ان اعضا میں داخل نہیں ہے جنہیں چھپانا عورت کے لئے ضروری ہے۔

3۔ فکر اسلامی میں مجلس شوریٰ، ولایت حسبہ، قضاء وافتاء وغیرہ جیسے مناصب پر عورت کی تقرری سے متعلق علماء کی آراء:

شوریٰ کا لفظ "مشورہ" سے ماخوذ ہے۔یعنی عند الطلب رائے کا اظہار کرنا[27]۔اصطلاح میں ایک دوسرے کی رائے جان کر مسئلہ پر غور وخوض کر کے اس کا حل نکالنا[28]۔اس اعتبار سے کوئی عملی وجوہ ایسی نہیں نکلتی کہ عورت کی شوریٰ کو نسل میں شرکت ناجائز ہو۔ ہم نبوی دور اور خلفاء راشدین کے دور میں دیکھتے ہیں کہ کتنے ہی واقعات ایسے رونما ہوئے کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے مشورہ طلب کیا جیسے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حدیبیہ کے دن مشورہ کیا وغیرہ۔ پارلیمنٹ، ملک میں قانون ساز ادارہ ہوتا ہے جو ہر شعبہ حیات کے لیے قانون بناتا ہے۔ چاہے وہ اداروں سے متعلقہ ہوں یا مال کی ترسیل یعنی بجٹ وغیرہ کی ترتیب سے متعلق ہوں۔

اس ادارے یعنی مجلس شوریٰ کی بعض اہم ذمہ داریاں حسب ذیل ہیں:

1- قانون سازی کرنا
2- ملکی سیاست کو نافذ کرنا
3- انتظامی عہدیداروں کی کارکردگی کی نگرانی کرنا
4- آئین میں بوقت ضرورت ترامیم کرنا
5- دوسرے ممالک سے معاہدات کرنا اور ان کو نافذ کرنا
6- اقتصادی ترقی اور ریاستی بجٹ کی پالیسی کو مرتب کرنا[29]۔

مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ میں عورت کی تقرری کے ضمن میں علماء کی مختلف ہیں.

بہت سے فقہاء اس امر کے جواز کے قائل ہیں جن میں ڈاکٹر مصطفی السباعی اور ڈاکٹر محمد فواد عبد المنعم وغیرہ شامل ہیں اور مندرجہ ذیل دلائل سے استنباط کرتے ہیں۔

أ. {وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَامُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[30]}"مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں بعض بعض کے اولیاء (ذمہ دار) ہیں، ایک دوسرے کو نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں"۔

اس ایت میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معاملے میں عورت اور مرد دونوں برابر شامل ہیں۔

ب. اللہ کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فتح مکہ کے موقع پر سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے مشورے پر امان دینے کا اقرار فرمانا۔

ج. نبی علیہ السلام کا سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یوم حدیبیہ کے دن مشورہ کرنا[31]۔

فقہاء کے نزدیک دوسری متداول رائے یہ ہے کہ یہ مسئلہ عصر حاضر کے اجزاء میں سے ہے۔ اور فقہاء نے اس مسئلہ کا عدم جواز ہی بیان کیا ہے۔ جس میں سر فہرست لجنۃ الفتویٰ بالازہر ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عبد الکریم الزیدان بھی اس کے قائل ہیں۔ اور اس کی دلیل وہ خلفاء راشدین کے دور سے لیتے ہیں کہ انہوں نے شوریٰ میں کسی عورت کو نامزد نہیں کیا[32]۔

ان آراء میں سے راجح قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لیے مجلس شوریٰ یا قانون ساز ادارے کے لیے نامزد ہونا جائز ہے۔ کیونکہ انتخابات میں قابلیت کے اعتبار سے نامزدگی کی جاتی ہے۔ اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس سے متعلق بعض دلائل ملتے ہیں۔

حسبہ کے منصب پر عورت کی تقرری کے بارے میں علماء کی آراء:

حسبہ "احتساب" سے ماخوذ ہے اور اس سے مراد حسب تدبیر امور کی انجام دہی ہے۔ اصطلاح میں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنے کا نام حسبہ ہے[33]۔ جسے عام فہم زبان میں "الامر بالمعروف والنہی عن المنکر" کہا جاسکتا ہے۔ اس اعتبار سے حسبہ مجتمع اسلامی کا لازمی جزء ہے کیونکہ حسب استطاعت نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہر فرد پر لازم ہے[34]۔ جبکہ محتسب کی ذمہ داریوں میں وہ تمام امور شامل ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہ امور مقید بھی ہوسکتے ہیں اور مطلق بھی۔ مثلا:

1- اگر امام محتسب کے اختیارات محدود کر دے یا کوئی علاقہ مختص کر دے تو محتسب کی ذمہ داریاں اسی محور کے ارد گرد مقید ہو جاتی ہیں۔

2- اگر امام محتسب کو مقرر نہیں کرتا یا محتسب اپنی ذمہ داریاں صحیح طریقے سے نہیں نبھاتا تو پھر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داریاں تمام تر افراد پر عائد ہو جایا کرتی ہیں[35]۔

بعض فقہاء عورت کے محتسب کے عہدے پر فائز ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے جائز ہونے کی دلیل وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے لیتے ہیں کہ جب انہوں نے الشفاء بنت عبد اللہ کی رائے کو سب کی رائے پر مقدم رکھا[36]۔ اور کتاب الاستیعاب میں اس کا ذکر ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے سمراء بنت نہیک کو حسبہ کے عہدہ پر مقرر کیا[37]۔ دوسری طرف بعض فقہاء اس کو عام ولایت میں شمار کر کے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں[38]۔ اس میں بھی راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی ولایت حسبہ پر تقرری جائز ہے۔

افتاء کے منصب پر عورت کی تقرری کے بارے میں علماء کی آراء :

الافتاء فتویٰ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں مسئلہ کا شرعی حکم بیان کرنا[39]۔ اصطلاح میں مفتی سے شرعی احکام کے متعلقہ خبر لینے کو افتاء کہتے ہیں[40]۔ فقہاء میں سے کسی نے بھی مفتی و قاضی ہونے میں جنس کی قید نہیں لگائی۔ امام جوینی لکھتے ہیں کہ "مفتی، فقہ کے اصول و فروع کا جاننے والا ہو اور مسائل کا استنباط کر سکتا ہو اور ساتھ میں ان آیات کی تفسیر جانتا ہو کہ جس میں

احکام بیان کیے گئے ہیں[41]"۔ ڈاکٹر محمد خیرت بیان کرتے ہیں کہ "عورت کے لیے مفتی کا عہدہ جائز ہے کیونکہ افتاء ولایہ کا جزء نہیں ہے[42]"۔ امام ابن القیم الجوزی لکھتے ہیں کہ ان صحابہ کرام کی تعداد جو امہات المومنین سے فتوی لیا کرتے تھے، تیس سے زیادہ ہے جن میں عورتیں بھی شامل ہیں[43]"۔ ڈاکٹر نادیہ عمری فرماتی ہیں کہ "مفتی ہونے میں ذکور کی کوئی قید نہیں، کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن سے مسائل پوچھا کرتے تھے اور ان کے قول پر عمل کیا کرتے تھے[44]"۔

فکر اسلامی میں قضاء کے منصب پر عورت کی تقرری سے متعلق علماء کی آراء:

قضاء قضیٰ یقضیٰ سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی حکم اور فیصلہ کے ہیں[45]۔ اصطلاح میں اس سے مراد لوگوں کے درمیان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بتائے ہوئے حکم کو نافذ کرنے کو قضاء کہتے ہیں[46]۔ اور قاضی حکم شرعی کو نافذ کرنے والا ہوتا ہے۔ جبکہ مفتی تو صرف حکم شرعی کے متعلقہ خبر دیتا ہے۔ مگر حکم لازم کرنے یا کرانے کی قدرت اس کے پاس نہیں ہوتی[47]۔
قضاء کے مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ جمہور کی رائے میں عورت کا قضاء کے عہدے پر فائز ہونا جائز نہیں۔ مگر بعض شافعیہ ضرورت کے تحت عورت کی قضاء کے عہدے پر تقرری جائز قرار دیتے ہیں[48]۔

جبکہ جمہور فقہاء قضاء کے عہدے کے لیے ذکور کی شرط لگاتے ہیں۔ اور یہ شرط حدیث کے استدلال کے مطابق ہے کہ جس میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ (لنْ يُفْلحَ قومٌ وَلّوْا امرَهُمُ امراةً[49])"وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس کی حاکم عورت ہو"۔ اور اسی قضاء کو بھی وہ ولایت عامہ اور رئاستِ دولۃ پر قیاس کرتے ہیں۔ جبکہ امام کاسانی فرماتے ہیں کہ "قضاء میں ذکور کی شرط صحیح نہیں کیونکہ عورت کا شمار بھی اہلِ شہادت میں ہوتا ہے، مگر اس کی شہادت حدود و قصاص میں نہیں لی جاتی اور قضاء کی اہلیت شہادت کی اہلیت پر مبنی ہے[50]"۔ اور اہل ظواہر کہ جن میں ابن حزم الظاہری[51] اور ابن جریر الطبری[52] وغیرہ شامل ہیں۔ وہ مطلق قضاء کو عورت کے حق میں جائز سمجھتے ہیں۔ اور وہ اس آیت سے دلیل لیتے ہیں {وَاذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ انْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ[53]}"اور جب بھی لوگوں کی درمیان فیصلہ کرو تو فیصلہ عدل سے کرو" کہ جس میں عدل و قضاء کے لیے جنس کی کوئی قید نہیں لگائی گئی[54]۔ اور وہ کہتے ہیں کہ قضاء کی غایت "الحکم بالعدل" ہے تو کوئی بھی جو قضاء کی غایت کی اہلیت رکھتا ہو چاہے مرد ہو یا عورت، اس عہدے کا اہل شمار ہو گا[55]۔ اور وہ اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ سمراء بنت نہیک، نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں قضاء کے مرتبے پر فائز تھیں اور ان کے پاس ایک کوڑا تھا کہ جس سے وہ دھوکا دینے والوں کو سزا دیا کرتی تھیں[56]۔

حاصل کلام

مقالہ ہذا میں پیش کیے گئے دلائل سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ:

اسلام نے مرد وعورت کو ایک مناسب توازن سے رکھا ہے، چاہے وہ خلقی وخُلقی اوصاف ہوں یا وہ امور احکام شریعت کے مکلف ہونے اور انکی پاسداری کے اعتبار سے ہوں۔ اور سیاست شریعت اسلامیہ کا ایک اہم جزء ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ بس جو شریعت نے بیان کیا ہے وہ سب سیاست ہے بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو شریعت کے موافق نہیں ہے وہ سیاست نہیں ہے۔ اور خلافت وولایت کے علاوہ زیادہ تر سیاسی امور فرض کفایہ کے درجے میں ہیں کہ جس میں مرد یا عورت کی تخصیص نہیں کی گئی ہے اور ان مراتب پر فائز ہونے کے لیے خاص اہلیت وقدرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ جس میں پائی جائے وہ اسی منصب پر فائز ہو سکتا ہے چاہے مرد ہو یا عورت۔ فقہی اعتبار سے عورت کے خلافت اور ولایت کے مراتب پر فائز نہ ہونے کے دلائل زیادہ قوی ہیں بہ نسبت ان دلائل کے جو جواز پر دلالت کرتے ہیں۔ اور فقہی اعتبار سے عورت کے وزارت، رکن مجلس شوری، حسبہ، قضاء اور افتاء کے مراتب پر فائز ہونے کے دلائل زیادہ قوی ہیں بہ نسبت ان دلائل کے جو عدم جواز پر دلالت کرتے ہیں۔ اور جب کوئی شخص مرد وعورت میں سے کسی عہدے کے لیے اہل ہوتا ہے تو شریعت کی رو سے وہ عہدہ مباح ہوتا ہے، مگر عہدہ کی تقرری براہ راست حاکم، خلیفہ، بادشاہ یا انتخابات کے طریقے سے کی جائے گی نہ کہ فقہی طریقے سے۔ اور ان تمام امور سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شریعت اسلامیہ نے کسی جنس کو ملک کی ترقی میں حصہ لینے سے محروم نہیں کیا اور نہ ہی کسی کی تعداد متعین کی اور اس کو مجتمع اسلامی کی عمومی اصلاح کی حاجت کے موافق رہنے دیا ہے۔

وصلى الله تعالى وسلم على النبي الكريم وعلى آله وصحبه اجمعين.

حوالہ جات

[1]- **ابن عابدين، محمد امين بن عمر الحنفي**، حاشية ابن عابدين، **بيروت، دار الفكر**، 1992، ص548.

[2]- **الماوردي، ابو الحسن علي بن محمد البغدادي**، الاحكام السلطانيه، **القاهره، دار الحديث**، 2010، ص5.

[3]- **الماوردي، ابو الحسن** علي بن محمد البغدادي، الاحكام السلطانيه، ص15.

[4]- النساء: 34.

[5]- **القرطبي**، ابو عبد الله محمد بن احمد، الجامع لاحكام القران، القاهره، دار الكتب المصريه، 1996، ص168.

[6]- النساء: 34.

[7]- النمل: 32.

[8]- النمل: 42.

[9]- **السعدي**، عبد الرحمن بن ناصر، تيسير الكريم في تفسير كلام المنان، بيروت، مؤسسة الرساله، 2000، ص507.

[10]- **البخاري، محمد بن اسماعيل**، صحيح البخاري، باب الفتنة التي تموج كموج البحر، **حديث** 7099.

[11]- **القرطبي**،ابو عبد الله محمد بن احمد، الجامع لاحكام القران،**القاہرۃ**،دار الكتب المصريه،1996،**ص**169.

[12]- **ابن حزم،ابو محمد علی بن احمد**، المحلی بالآثار،بیروت، دار الفكر،1992،**ص**429.

[13]- **التھانوی، محمد اشرف علی التھانوی**،ملفوظات حكيم الامت،**ملتان، مكتبہ امدادیہ**،7/49.

[14]- الترمذی، محمد بن عيسى، جامع الترمذی، ابواب الاحكام، حديث 2266.

[15]- البخاری، محمد بن اسماعيل، صحيح البخاری، باب الفتنة التي تموج كموج البحر، حديث 7099.

[16]- العسقلانی، ابن حجر، الاصابة فی تمييز الصحابة، بيروت، دار الكتب العلميه، 1415، ص 333.

[17]- البخاری، صحيح البخاری، باب ما كان النبی صلى الله عليه وسلم يتجوز من اللباس والبسط، حديث 5843.

[18]- عزت، ڈاکٹر هبة رؤوف، المرأة والعمل السياسی، ص 66.

[19]- الاحزاب: 33.

[20]- **الزيدان،ڈاکٹر عبد الكريم**، المفصل فی احكام المراة والبيت المسلم،ص 267.

[21]- **الشهرستانی**، ابو الفتح محمد بن عبد الكريم، الملل والنحل، دمشق، مؤسسةالحلبی، 200، ص144.

[22]- **السباعی،ڈاکٹر مصطفی**،المراة بين الفقه والقانون، بيروت، المكتب الاسلامی،2005،ص69 .

[23]- **البوطی،ڈاکٹر محمد سعيد رمضان**،بين طغيان النظام الغربی، ص 39.

[24]- ابن منظور، لسان العرب، مادة وزر، بيروت، دار صادر، 2004،ص 282.

[25]- ابن منظور، لسان العرب، مادة وزر، بيروت، دار صادر، 2004، ص 283.

[26]- البخاری، محمد بن اسماعيل، صحيح البخاری، باب الفتنة التي تموج كموج البحر، حديث 7099.

[27]- ابن منظور، لسان العرب، مادة وزر، بيروت، دار صادر، 2004، ص437.

[28]- ابن منظور، لسان العرب، مادة وزر، بيروت، دار صادر، 2004، ص439.

[29]- **السامي،ڈاکٹر سامي عبد الصادق**،اصول الممارسةالبرلمانيه،**ص**17.

[30]- **التوبة**: 71.

[31]- **ڈاکٹر فواد عبد المنعم**،مبداالمساواة فی الاسلام من الناحية الدستوريه،**ص**101.

[32]- **الزيدان،ڈاکٹر عبد الكريم**،اصول الدعوة،**ص**166.

[33]-**بن منظور**،لسان العرب،**مادة وزر، بيروت، دار صادر**،2004،**ص**314.

[34]- الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد البغدادی، الاحکام السلطانیہ، القاہرۃ، دار الحدیث، 2010، ص240.

[35]-عبد المعز عبد الستار، الامر بالمعروف والنهي عن المنكر، ص28.

[36]- العسقلانی، ابن حجر، الاصابة في تمييز الصحابه، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1415، ص335.

[37]- ابن عبد البر، الاستيعاب في معرفة الاصحاب، ص230.

[38]-عبد العزیز بن محمد بن مرشد، نظام الحسبة فی الاسلام دراسة مقارنة، تحقیقی مقالہ ایم اے از جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض، ص61-62.

[39]- ابن منظور، لسان العرب، مادۃ وزر، بیروت، دار صادر، 2004، ص1702.

[40]- الکاسانی، ابو بکرین مسعود، بدائع الصنائع في الشرائع، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1986، ص2.

[41]- الجوینی، عبد الملک بن عبد اللہ، کتاب الورقات، ص29.

[42]-ڈاکٹر محمد خیرت، المراۃ فی الاسلام، ص16.

[43]- ابن القیم، محمد بن ابو بکر، اعلام الموقعین عن رب العالمین، دار الکتب العلمیہ، 1991، ص12.

[44]-ڈاکٹر نادیہ عمری، الاجتهاد فی الاسلام، ص62-63.

[45]- ابن منظور، لسان العرب، مادۃ وزر، بیروت، دار صادر، 2004، ص1780.

[46]- الکاسانی، ابو بکرین مسعود، بدائع الصنائع في الشرائع، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1986، ص32.

[47]-محمد خیرت، المرأۃ فی الاسلام، ص65.

[48]- الخطیب الشربینی، محمد بن احمد، مغنی المحتاج، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1994، ص377.

[49]- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، باب الفتنة التي تموج كموج البحر، حدیث 7099.

[50]- الکاسانی، ابو بکرین مسعود، بدائع الصنائع في الشرائع، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1986، ص3.

[51]- ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، المحلی بالآثار، بیروت، دار الفکر، 1992، ص429.

[52]- ابن رشد، محمد بن احمد، بدایۃ المجتهد، القاہرۃ، دار الحدیث- 2004، ص344.

[53]- النساء: 58.

[54]- ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، المحلی بالآثار، بیروت، دار الفکر، 1992، ص429.

[55]- ابن رشد، محمد بن احمد، بدایۃ المجتهد، القاهرة، دار الحدیث- 2004، ص345.

[56]- ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفه الاصحاب، بیروت، دار الجیل، 1992، ص1863.